محمد اظہار الحق*

کھنچیں میر تجھ ہی سے یہ خواریاں

(۱)

یہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے شمال کا ایک شہر تھا جہاں اسے ملازمت ملی۔ ہجرت کر کے آنے کے بعد تارکین وطن کے سامنے یوں بھی امکانات کم ہی ہوتے ہیں۔ جہاں بھی روزگار مل جائے، وہیں سے آغاز کرنا پڑتا ہے۔ چند ہفتوں کے اندر ہی اسے احساس ہو گیا کہ پاکستانیوں کی تعداد وہاں کم ہے، بہت ہی کم۔ اور ان میں سے بھی زیادہ تر وہ قادیانی تھے جو مذہبی بنیادوں پر پناہ (Asylum) لے کر آباد ہوئے تھے۔ اس کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ وہ ان کا مقاطعہ کرے، کسی تقریب میں جائے نہ ان سے میل ملاپ کرے۔ دوسرا یہ کہ وہ ان لوگوں سے ملے اور جہاں، جب بھی موقع ہو، بات چیت کرے۔ اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ وہ تقاریب میں جاتا، دعوتوں میں شریک ہوتا اور تفریحی پروگراموں میں شرکت کرتا۔ نماز کا وقت ہوتا تو وہ الگ نماز پڑھتا۔ یوں بھی ہوتا کہ وہ لوگ اپنی نام نہاد جماعت کرانے لگتے تو اسے دوسرے کمرے میں الگ سے جائے نماز خود ہی بچھا دیتے۔

چند ماہ ہی گزرے تھے کہ ایک دن اسے ایک ٹیلی فون آیا۔ دوسری طرف ایک قادیانی نوجوان تھا۔ یہ تقاریب میں اسے ملتا رہتا تھا۔ اس نے اس کے گھر آنے کی اجازت چاہی۔ وقت مقرر کیا گیا۔ وہ نوجوان آیا، کئی گھنٹے گفتگو کرتا رہا۔ جاتے وقت اس نے پاکستان کے دو معروف علما کے ای میل ایڈریس جاننا چاہے اور یہ بھی کہا کہ اس کی اس ملاقات کا ذکر اس کی کمیونٹی کے کسی فرد سے نہ کیا جائے۔

چند ہفتوں کے بعد نوجوان پھر اس کے پاس آیا۔ اب کے نشست طویل تر تھی۔ اس دفعہ اس نے قادیانیت کے بارے میں گفتگو کی۔ اس کے خیالات اپنی کمیونٹی اور اپنے مذہب کے بارے میں ''غیر روایتی'' تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ اسے پہلی بار یہ موقع میسر آیا ہے کہ ایک پڑھے لکھے اور مذہب کا علم رکھنے والے ایسے شخص سے گفتگو کر سکے جو اس کے مذہب سے تعلق نہیں رکھتا۔ چند ملاقاتیں اور ہوئیں جن میں نوجوان سے کھل کر گفتگو ہوئی۔ آخر کار اس نے خالص دلائل کی بنیاد پر اقرار کیا کہ وہ مرزا غلام احمد کو نبی نہیں تسلیم کرتا۔

یہ ایک سچا واقعہ ہے اور اس کے بیان میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں کی گئی۔ اس کے لکھنے کا سبب ماہنامہ 'الشریعہ' کا ستمبر ۲۰۱۱ء کا ایشو بنا ہے۔ اس پرچے میں کچھ مضامین اور خطوط ایسے ہیں جنھیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پاکستان میں

* شاعر، ادیب، نقاد۔ کالم نگار روزنامہ نوائے وقت۔ izhar@izharulhaq.net

مذہب کے نام لیوا کس دنیا میں رہ رہے ہیں، ان کے رویے کیسے ہیں اور وہ اختلاف رائے کا سامنا کرنے کے بجائے کس قسم کی زبان استعمال کرتے ہیں!

سچی بات یہ ہے کہ جب پاکستان کی قانون ساز اسمبلی نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا تو اس کے بعد اس سلسلے میں ایک نیا دور شروع ہونا چاہیے تھا۔ یہ دور سختی کا، مار دھاڑ کا، چیخ پکار کا اور لعن طعن کا نہیں، بلکہ ترغیب، تحریص اور تبلیغ کا ہونا چاہیے تھا۔ بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قادیانی پاکستان سے بھاگنے لگ گئے۔ آج وہ پوری دنیا میں پھیل چکے ہیں۔ گھٹن اور خوف کے ماحول کی بنیاد پر انھیں ہر جگہ پناہ (Asylum) مل رہی ہے۔ ان ملکوں میں چونکہ مذہبی آزادی ہے، اس لیے ان کی سرگرمیاں روز افزوں ہیں۔ سرکاری سطح پر فنڈ بھی مل جاتے ہیں، ان کے عبادت خانے بن رہے ہیں، اجتماع ہو رہے ہیں اور وہ پوری آزادی اور یکسوئی سے اپنے عقائد کا پرچار کر رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ نئے آنے والے ''پناہ گزینوں'' (Asylum Seekers) کے لیے مدد اور رہنمائی کے مرکز کے طور پر بھی کام کر رہے ہیں۔

اقلیت قرار دلوانے کے بعد پاکستان کے ان حلقوں کو جو قادیانیت کا تعاقب کر رہے تھے، اپنا کردار اور انداز بدل لینا چاہیے تھا۔ جو لوگ بیرون ملک رہ رہے ہیں یا رہے ہیں یا انھیں زیادہ سفر کرنے کے مواقع ملے ہیں اور انھوں نے قادیانیوں کے اندر جھانک کر دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ قادیانی، بالخصوص ان کی نئی نسل، دو حوالوں سے جراحت پذیر (Vulnerable) اور اثر پذیر (Susceptible) ہے۔ ایک یہ کہ انھیں قادیانی عقائد کی تفصیل نہیں بتائی جاتی۔ اکثریت کو معلوم ہی نہیں کہ مرزا غلام احمد نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر قرار دیا ہے۔ اس بے علمی پر تعجب اس لیے نہیں ہونا چاہیے کہ قادیانی جماعت ایک ایسا بند گروہ (Cult) ہے جس کا باہر کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ آمریت کا یہ عالم ہے کہ ''ارکان'' کی زندگی کے ذاتی پہلو بھی باقاعدہ ''اوپر'' سے کنٹرول ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال ورجینیا میں چالیس قادیانیوں کو جماعت سے اس بنا پر خارج کر دیا گیا کہ انھوں نے کسی شادی کی تقریب کے دوران رقص کی محفل میں شرکت کر لی تھی۔ قادیانیوں کی نئی نسل اس حقیقت کو ہضم کرنے کے لیے تیار نہیں کہ ان کے نبی کو نبی نہ ماننے والے کافر ہیں۔ بالخصوص جو قادیانی نوجوان مغربی ملکوں کی آزاد اور انفرادی آزادی سے بھرپور فضا میں سانس لے رہے ہیں، ان کا رویہ اس ضمن میں قادیانیوں کی اس نسل سے بالکل مختلف ہے جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لندن میں بیٹھی اس گروہ کی ہیئت مقتدرہ حقائق کو نئی نسل سے چھپانے کی اور نئی نسل کو بے خبر رکھنے کی پوری کوشش کر رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ قادیانیوں کا خاندانی نظام مربوط اور مضبوط برادری سسٹم پر قائم ہے۔ قادیانیت سے تائب ہونے والے شخص کے لیے، بالخصوص ایک نوجوان شخص کے لیے، اس مضبوط خاندانی نظام اور برادری کے جال سے نکلنا از حد مشکل ہے۔

ان دونوں پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ضرورت اس بات کی تھی کہ تبلیغ کے حوالے سے ایسی پالیسی بنائی جاتی کہ ایک طرف تو قادیانیوں کی نئی نسل کو اصلیت سے آگاہ کیا جاتا اور انھیں مطلع کیا جاتا کہ ان کے نام نہاد نبی نے مسلمانوں کے لیے کیا کچھ کہا ہے اور کون سی زبان استعمال کی ہے اور دوسری طرف ایسے ادارے بنائے جاتے جو قادیانیت سے تائب ہونے والے لوگوں کو سماجی اور مالی سہارا دیتے اور انھیں برادری کو خیر باد کہنے کا حوصلہ ہوتا۔ یہ سارا مسئلہ جوش سے زیادہ ہوش کا متقاضی تھا۔ قادیانیت کے عقائد غیر منطقی ہیں اور ان کی بنیاد اس قدر کمزور ہے کہ اگر ختم نبوت کے محافظین اور

مجاہدین قادیانیوں کی نئی نسل کو قریب لانے کی کوشش کرتے تو یہ گروہ برف کی طرح پگھلنا شروع ہو جاتا، لیکن سختی، شور وغوغا، حکمت اور تدبر کی کمی اور مار دھاڑ نے ایک طرف تو ان کی نئی نسل پر منفی ردعمل طاری کر کے اسے اس بے بنیاد مذہب پر پختہ کر دیا اور دوسری طرف ان پر نوکریوں اور دیگر حقوق کے دروازے بند کر کے ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا۔ یوں کُبّے کو لات لگی اور پاکستان سے باہر کی دنیا میں ان کے وارے نیارے ہو گئے۔ یہ بالکل اسی طرح ہوا جیسے شہر سے باہر، مجرا کرنے والوں کی الگ تھلگ بستی پر صالحین ڈنڈے اور سوٹے لے کر پل پڑیں اور مجرا کرنے والی طوائفیں بھاگ کر محلوں اور گلی کوچوں میں ٹھکانے بنا لیں جہاں انھیں پہچاننا ممکن ہو نہ نکالنا۔

اس ضمن میں اصل مقصد یہ ہونا چاہیے تھا کہ دامے درمے سخنے قادیانیوں کو واپس اسلام کی طرف لایا جائے، لیکن بدقسمتی سے مکمل مقاطعہ کی پالیسی اپنائی گئی۔ سارا زور Non-issues (غیر اہم معاملات) پر دیا گیا۔ مثلاً گزشتہ سال جب لاہور میں قادیانیوں کی عبادت گاہ پر بم کا دھماکہ ہوا جس میں ستر افراد ہلاک ہوئے تو میاں نواز شریف نے ایک سیاسی بیان میں کہا کہ قادیانی ہمارے بھائی ہیں۔ نواز شریف کو ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا، لیکن اگر انھوں نے سیاست دان ہونے کے حوالے سے کہہ دیا تو یہ ایسا مسئلہ نہیں تھا جس پر ہنگامہ برپا کر کے وقت اور وسائل ضائع کیے جاتے۔ تقسیم سے پہلے جب مسلمان، ہندو اور سکھ اکٹھے رہتے تھے تو بھائی بہن کے الفاظ کا استعمال عام تھا۔ مسلمان بچے ہندو اور سکھ خواتین کو محلوں اور گلیوں میں خالہ کہتے تھے، سہیلیاں بہنیں بنی ہوئی تھیں اور ہندو اور سکھ بابے مسلمان بچوں کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ کبھی کسی نے نہیں کہا تھا کہ اسلام پر آنچ آ رہی ہے۔

ان سطور کے لکھنے والے کو یقین ہے کہ ہمارے عقاب (Hawks) اس پر شدید گرفت کریں گے اور لکھنے والے کے پرخچے اڑا دیے جائیں گے، لیکن اس کے باوجود حقیقت یہی ہے کہ یہ نان ایشوز ہیں۔ ان معاملات پر طوفان کھڑا کر کے ہم اسلام کی کوئی خدمت نہیں کر رہے۔

یہاں ایک لطیفہ نما واقعہ یاد آ رہا ہے۔ ہمارے سینئر دوست اور معروف سفر نامہ نگار جناب مستنصر حسین تارڑ نے بیجنگ کے ایک ریستوران کا حال لکھا کہ ان کے چینی رہنما نے، جو اردو بولنے پر دسترس رکھتا تھا، ایک خاص ڈش کھانے سے منع کیا کہ یہ گدھے کا گوشت ہے۔ تارڑ صاحب نے کہا کہ وہ فلاں فلاں اصحاب تو کھا رہے ہیں۔ اس پر چینی گائیڈ نے جواب دیا کہ ہاں، وہ کھا رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ گدھے ہی کا گوشت ہے۔ غیر اہم معاملات کے دفاع میں شور قیامت بھی برپا کر دیا جائے تو پھر بھی وہ غیر اہم ہی رہیں گے۔

اس پس منظر میں الشریعہ کے مدیر محمد عمار خان ناصر کی وہ سطور دیکھیے جن پر الشریعہ کے ستمبر کے شمارے میں افسوس کا اظہار کیا گیا ہے:

> ''قادیانی قیادت اور ان کے تاویلاتی جال میں پھنس جانے والے عام سادہ لوح مسلمانوں کے مابین جو فرق حکمت دین کی رو سے ملحوظ رکھا جانا ضروری تھا، وہ نہیں رکھا گیا اور عام لوگوں کو ہمدردی اور خیر خواہی سے راہ راست پر واپس لانے کے داعیانہ جذبے پر نفرت اور مخاصمت کے جذبات نے زیادہ غلبہ پا لیا۔ میرے نزدیک قادیانی گروہ کو قانونی طور پر مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم گروہ قرار دے دیے جانے سے امت مسلمہ کے تشخص اور اس کی

اعتقادی حدود کی حفاظت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مسلمانوں کے علما اور داعیوں کی محنت اور جدوجہد کا ہدف اصلاً یہ ہونا چاہیے کہ وہ دعوت کے ذریعے سے ان عام قادیانیوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں جن کے حوالے سے قادیانی قیادت کا مفاد بھی یہی ہے کہ وہ مسلمانوں سے الگ تھلگ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے ناواقف رہیں اور معلوم نہیں کن ضرورتوں یا مجبوریوں کے تحت ہماری مذہبی قیادت بھی انھیں مسلمانوں سے دور ہی رکھنے کو اپنی ساری جدوجہد کا ہدف بنائے ہوئے ہے۔''

اس تحریر میں کون سی چیز خلاف اسلام ہے یا قادیانیوں کے حق میں ہے جس کی بنیاد پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے؟ اس افسوس پر افسوس ہی کیا جا سکتا ہے!

(۲)

ستمبر ہی کے شمارے میں مولانا زاہد الراشدی کا مضمون ''دینی جدوجہد اور اس کی اخلاقیات'' ہماری اوپر لکھی ہوئی گزارشات کی تصدیق کر رہا ہے۔ قادیانیت کے ضمن میں تیر وہاں برسائے جا رہے ہیں جہاں ہدف نہیں ہے۔ یہ رویہ Don Quixote کی یاد دلاتا ہے جو ہوا میں تلواریں لہرانے والا ہیرو تھا۔ قادیانیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو جانے والے شخص کو قادیانی کہنا اور پھر اس پر اصرار کرنا، اور مولانا منظور احمد چنیوٹی جیسے انتہائی سینئر اور بزرگ عالم دین کا محض سنی سنائی بات پر مسلمان افسروں کو قادیانی قرار دینا اس حقیقت کا غماز ہے کہ ہمارے علماء کرام اس ضمن میں ایک ایسی انتہا پر جا پہنچے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے صریحاً متحارب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْماً بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ (الحجرات ۴۹:۶)

''اے ایمان والو، اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو۔ پھر تم کو اپنے کیے پر نادم ہونا پڑے۔''

رہی بلیک میلنگ کہ اپنا کام نکلوانے کے لیے مسلمان کو قادیانی کہہ دینا، جیسا کہ ایک مولوی صاحب نے مولانا زاہد الراشدی کی موجودگی میں کیا، تو یہ بہت سے پیشہ ور مولوی حضرات کا معمول ہے۔ مرکزی اور صوبائی دارالحکومت میں باقاعدہ ایسے گروپ بنے ہوئے ہیں جو جمعے کے خطبے کی دھمکی دے کر بیوروکریسی سے کام نکلواتے ہیں اور کام نہ ہونے کی صورت میں منبر و محراب اور آلہ مکبر الصوت سمیت ساری سہولتیں جو دین حق پھیلانے کے لیے عوام کے خون پسینے کی کمائی سے حاصل کی گئی ہیں، ''مجرم'' کو ''سزا'' دینے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ چند دلچسپ واقعات اس فقیر کے علم میں بھی ہیں۔

(۳)

ستمبر کے 'الشریعہ' میں خاصے کی چیز ایک خط ہے جو حافظ صفوان محمد کے مضمون ''سماجی، ثقافتی اور سیاسی دباؤ اور دین کی غلط تعبیریں'' (الشریعہ، جولائی ۲۰۱۱ء) کے جواب میں لکھا گیا ہے۔ اس خط کے چند فقرے ملاحظہ کیجیے:

''حافظ صفوان کس بنیاد پر اپنا قد بڑھانے کے لیے یہ شگوفے چھوڑ رہے ہیں۔''

''شراب کی بوتل پر زم زم کا لیبل چپکانا اور سور کے گوشت کو بکری کے گوشت سے تعبیر کرنا.....''

''.....یہ تو مرزا غلام احمد قادیانی کے طرز فکر کو اپنانے جیسا فعل ہے۔''